لکھنے کی تھی۔ مگر اس میدان میں قلم ایسا رکا کہ آگے نہ چلا بلکہ دوسرے نئے راستے اختیار کر لیے۔

اس کتاب میں مبادیاتِ اسلام میں سے ربِ واحد' رسالت' تقدیر' آخرت' وحی وغیرہ موضوعات پر کہیں مکالمے کے انداز سے گفتگو ہے' اور کہیں جدید عقلی اور سائنسی مسائل کو چھیڑ کر بات کی گئی ہے۔ لیکن ساری بحثوں میں عقل کی جولانیاں بھی دکھائی دیتی ہیں' اور یہ کتاب عقل کو ثانوی اہمیت سے آگے کوئی مقام نہیں دیتی۔

نہایت دلچسپ پیرائے میں بحثیں ہیں جنہیں فلسفہ کے گریجوایٹ طنطاوی نے اس طرح مرتب کیا ہے کہ انسان کی سوچ گھوم پھر کر اسلامی حقائق پر جا کر رکتی ہے۔

کتاب طلبہ کے لیے مفید۔ عام مسلمانوں اور اسلام سے ناواقف معلموں اور صحافیوں کے لیے بھی اہم۔

کتاب کے مترجم میرے جانے ہوئے بزرگ ہیں اور کئی سال ادارۂ معارفِ اسلامی میں کام کرتے رہے ہیں۔ عربی زبان میں خاصے بالغ نظر۔ انہوں نے بعض کتابوں کے تراجم کیے ہیں' بعض کی نظر ثانی کی ہے۔ اور اب قرآن تحریک کے اہتمام سے خدمتِ قرآن اور توسیعِ پیغامِ قرآن کا کام کر رہے ہیں۔ خدا انہیں نیک کاموں کی بیش از بیش توفیق دے۔

(ن - ص)

ذکری مسئلہ : تالیف : مولانا عبدالحق بلوچ' سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان۔ ناشر : دارالحدیث' تربت بلوچستان۔ ملنے کا پتہ : المنار بک سنٹر' منصورہ لاہور' پاکستان۔ سفید کاغذ اچھا' طباعت مناسب' کتابت معمولی' مضبوط جلد مع سادہ و رنگین گرد پوش۔ صفحات ۱۱۲ - قیمت ۳۰ روپے۔

بلوچستان میں ' مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ سال میں دو ایک دفعہ فسادات کا دور دورہ ہوتا ہے خصوصاً رمضان شریف میں۔ روزہ داری' تراویح ' اعتکاف اور تلاوتِ قرآن کے اس مہینے میں یہاں ساری توجہ ان تصادموں پر لگ جاتی ہے' جو کئی سال سے واقع ہو رہے ہیں۔ تربت کا مقام جہاں ذکریوں کا کوہِ مراد (مقامِ حج وغیرہ) واقع ہے' وہاں اکثر کرفیو لگ جاتا ہے۔ قیامِ امن کے لیے فورسز کی ڈیوٹیاں لگ جاتی تھیں۔ B.R.P اور دیگر فورسز کے دستے کئی شہروں میں طلب کر لیے جاتے ہیں۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوتا ہے جس کا اطلاق یک مشت یا اس سے بڑی داڑھی

اور عالمانہ وضع والے لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ ان کی نقل و حرکت ممنوع ہوتی ہے' استثنیٰ یہ کہ کوئی شخص مجسٹریٹ کے دستخطوں سے راہداری حاصل کرلے۔ ہر سال جانیں جاتی ہیں' گرفتاریاں ہوتی ہیں اور مقدمے چلتے ہیں۔

مولانا نے اس کتاب میں ذکریوں کے بارے میں معلومات مہیا کی ہیں' کیونکہ پاکستان کے دوسرے علاقوں میں یہ لوگ ایک معما بنے ہوئے ہیں کہ آخر ذکر کرنا تو کوئی بری بات نہیں۔

اس گروہ کی تاسیس ملا محمد اٹکی نے کی جسے ان کے مرید' پیغمبر بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ مانتے ہیں۔ ۹۷۷ھ اس کا سال ظہور ہے۔ اسے چونکہ نور مانا جاتا ہے اس لیے اس کے تولد یا ماں باپ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس نے نماز کو منسوخ کر کے چند اوقات کے ذکر کو مقرر کیا۔ اس لیے یہ گروہ ذکری کہلایا۔

ذکری کہتے ہیں کہ اس کے نوری وجود نے دنیا سے کچھ کھایا پیا نہیں' بلکہ صرف جنت کی ایک نہر سے ایک من دودھ کا عمر بھر میں استعمال کیا اور جنت کے میووں اور کھانوں سے دس من استعمال کیا۔

ملّا محمد اٹکی کہتا ہے کہ میرے نور کا عکس کچھ فرشوں پر پڑا تو وہ ستر ہزار برس تک بے ہوش پڑے رہے۔ اس کے نور سے تمام اولیا مستفید ہوئے۔ ذکری دین بتاتا ہے کہ ملا محمد اٹکی کا نور خدا نے اپنے آپ سے پیدا کیا اور پھر باقی تمام انبیاء اور کائنات اسی نور سے پیدا ہوئی۔

ذکری دین کا کلمہ یہ ہے کہ ۔ لا الہ الا اللہ ' نور پاک ' نور محمد مہدی رسول اللہ۔

ذکر اور سجدہ میں کسی متعین سمت کے قائل نہیں۔ سجدہ ایک ہی کرتے ہیں' دو نہیں۔ مال میں سے دہ یکی دینا طریقۂ امتِ محمدیہ ہے' لیکن نور مہدی پاک پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ مال کا ساتواں حصہ اساتذہ اور عالم فاضل لوگوں کو دے دے۔ جو شخص دینِ مہدی کی طریقت پر عمل کرتا ہو وہ ۱/۱۰ دے۔ یہ احکام تمام اموال کے لیے ہیں اور نصاب وغیرہ کوئی نہیں۔

کوہِ مراد نام کی پہاڑی ہے۔ جس کے ساتھ توابع کو ملانے سے ایک وسیع ادارہ بن جاتا ہے' مثلاً ملائے کوہ' گل ڈن' کوہِ امام' زم زم وغیرہ۔ بنیادی اہمت کوہِ مراد کی ہے جو مقامِ محمود بھی ہے۔ یہیں ایک دیوار میں خاص پتھر نصب ہے جسے حجرِ اسود کہتے ہیں۔

زمزم کے نام سے پرانی کاریزوں کا پانی ' اب خشک ہے۔ ذکری کہتے ہیں کہ گنہ گاروں کے یہاں نہانے کی وجہ سے پانی سوکھ گیا ہے۔ تفاصیل کتاب میں دیکھیے جس میں متعدد دوسری کتابوں کے نام ہیں اور ذکریوں کے اپنے لٹریچر کا بھی ذکر ہے۔

کہنا یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں خوارج سے لیکر، حشیشین تک، اور قیدِ شریعت سے آزاد اہلِ طریقت سے لے کر قادیانیوں اور ذکریوں تک کیا عجیب سامانِ عبرت ہے۔ مذہب کے سوانگ رچانے اور ڈھونگ چلانے کے لیے ماہرین کو چند اہم نکات مل گئے ہیں، ان نکات کی بنا پر نت نئے فتنے لباسِ تقدس میں نمودار ہوتے ہیں۔ خوب جان و مال قربان کرتے ہیں، مگر خدا کے سچے سادہ دین سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ شیطان نے یہ حربہ نکالا کہ مذہب پسندوں کو نت نئے مذہب گھڑ کر دیے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی خدائی دعویٰ بھی کرے تو اس کو اپنے حصے کے بے وقوف مل جائیں گے۔ ہر بت انسانوں کی تمنائیں پوری کر رہا ہے، ہر قبر کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، بس اللہ میاں بیٹھے پکارتے رہیں کہ مجھ سے مانگو، میں دعائیں سنتا ہوں اور ان کے جواب دیتا ہوں (کارروائی کرتا ہوں) تمھاری حاجات پوری کرتا اور تم سے مصیبتوں کو دور کرتا ہوں، مگر تم میری آواز نہیں سنتے اور اپنی من مانیاں کرتے ہو۔ اچھا قیامت کے دن سب کچھ سامنے آجائے گا۔

(ن - ص)

تماشائی: مصنف، م نسیم۔ ترتیب: ڈاکٹر سید عبدالباری و انتظار نعیم۔ ناشر: ادارہ ادبِ اسلامی ہند، ۲۴۴۸ بارہ دری شیر افگن، بلیماراں، دہلی۔ ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، بازار چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶۔ ضخامت ۲۵۰ صفحات۔ مجلد سادہ رنگین گرد پوش۔ قیمت ۵۰ روپے۔

کتاب حفیظ میرٹھی صاحب کے اس شعر سے منسوب کی گئی ہے۔

نہ ہوں حیران میرے قہقہوں پر مہرباں میرے
فقط فریاد کا معیار اونچا کرلیا میں نے

سچ یہ ہے کہ کتاب ہمہ تن فریاد ہے۔ اولاً مصنف کے خلاف (شاید زیادہ قصور مرتبین کا ہو) جس نے اس کتاب کو مجموعہ بنا دیا افسانوں، پیروڈیز، ناولٹ اور دیگر تخلیقات کا، یعنی ادبی آچار کا مرتبان جس پر لیبل لگا ہو کہ اندر کیا کیا کچھ ہے۔ دوسرے کتاب فریادی ہے اپنے دور کے ادب نوازوں کی کہ جن پر رحم کھا کر جناب مصنف نے ۱۹۶۰ میں چھپنے والی اس کتاب کو ۳۰ سال تک روکے رکھا۔ محبانِ فن کی نزاکت احساس کا اتنا لحاظ کہ کہیں ان کے حساس ذہنوں کے آبگینوں میں چھید نہ پڑ سکیں۔ بس یہی چیز م نسیم صاحب کے بے نیازانہ ادبی مرتبے کو واضح کرتی ہے۔ اگر انھیں ادیبوں اور قارئین کے نازک سے اعصابی ریشوں کے جھیر جھیر ہوجانے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ اتنی کتابیں لکھ چکے ہوتے کہ تماشائی کے بجائے تماشا بن جاتے۔ اور بچارے انتظار نعیم کا احساس